ڈاکٹر بسمینہ سراج
استاد شعبہ اردو،شہید بینظیربھٹو،خواتین یونیورسٹی، پشاور ۔

اردو افسانہ اور دہشت گردی ایک مطالعہ

Dr. Bismina Siraj

Head Department of Urdu Shaheed Benazir Bhutto Women University, Peshawar.

Urdu short story and Terrorism :A study

Human sentiments are expressed in full bloom in Urdu short stories. Urdu short stories progressed in different ways in the twentieth century. When it entered twenty first century it absorbed the bitterness of topics along with Art and writing styles. Due to which Urdu short stories came up with a hostile expression along with social tragedies. Terrorism has crippled human life in the present times. So the short story writers have expressed and portrayed the lives of those who suffered and got ruined due to terrorism.

Key words: *Sentiments, Bitterness, Social Tragedies, Portrayed.*

بیسویں صدی میں برصغیر میں سیاسی افراتفری، آمریت کی جبریت، پے درپے مارشل لاء، سماجی و معاشرتی گھٹن وتضاد، تہذیبی صورتحال اور اقتصادی و معاشی ہلچل نظر آتی ہے جس سے اردو افسانے نے کئی راہیں اختیار کیں اور افسانوں میں نفسیاتی، جنسی اور سماجی حقیقت نگاری زیادی وسعت اور شعور کے ساتھ آگے بڑھتی رہی۔ ترقی پسند تحریک کے افسانوں میں تو قیام پاکستان کے بعد علامتی، تجریدی، مزاحمتی اور جدید افسانے نمایاں طور پر نظر آتے ہیں۔

اردو افسانہ اپنے آغاز سے لے کر دور حاضر تک مختلف تحریکوں، متنوع فکری رجحانات، اسلوبیات اور تکنیکوں سے ہمکنار رہا ہے۔ جس کی عہد حاضر تک پوری ایک روایت نظر آتی ہے۔ جب کہ دوسری طرف دیکھا جائے تو قومی وادبی لحاظ سے اردو افسانے نے قوم کے جذبات واحساسات کی ترجمانی بھی بھرپور انداز میں کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"زندگی کے سمندر کا ایک قطرہ افسانہ بھی ہے لیکن اس قطرہ میں دجلہ دکھانے کا کام جو افسانہ نگار کو انجام دینا پڑتا ہے وہ مشکل بھی ہے اور ہنر طلب بھی۔اس کے لئے اس کو اپنی اندرونی حسن کا بیرونی عوامل سے رشتہ قائم کرنا پڑتا ہے۔" (۱)

پاکستان کا صوبہ خیبر پختونخواہ کا وہ بدقسمت صوبہ ہے جہاں سب سے زیادہ دہشت گردی ہوئی اور ہو رہی ہے ۔۹/۱۱ کے بعد جب پاکستان پر ائی آگ کو اپنے گھر لے آیا تو مغربی پروپیگنڈے نے بھی دنیا بھر میں اسلام اور مسلمانوں کا بہت منفی تصور پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ عراق ،افغانستان اور پاکستان کے علاوہ جنوبی ایشیاء کے کئی ممالک دہشت گردی کی لپیٹ میں آگئے۔

دہشت گردی کیا ہے ؟خوف وہراس پیدا کر کے اپنے مقاصد کے حصول کی خاطر ایسا طریقہ کار یا حکمتِ عملی اختیار کرنا جس سے قصوروار اور بے قصور کی تمیز کیے بغیر ہر ممکنہ ہدف کو ملوث کرتے ہوئے وسیع پیمانے پر دہشت وتکلیف اور اضطراب پھیلایا جائے۔ دہشت گردی کے عوامل میں سب سے اہم چیز بیرونی دشمن اور اندرونی دشمن ہیں جو مذہبی، لسانی اور نسلی گروہوں کے درمیان موجود اختلافات کو بھڑکا کر اپنے مذموم مقاصد حاصل کرتے ہیں۔بقول جیلانی بانو:

"آج ایک ادیب کے لئے یہ دنیا جتنی غور طلب ہے پہلے کبھی نہ تھی۔ہم نئی صدی میں داخل ہوئے ہیں یہ انسانی تہذیب کا بہت الجھا ہوا دور ہے۔"(۲)

دہشت گردی کی وجہ سے مسجد میں نمازی محفوظ ہیں،نہ سکولوں میں پڑھنے والے بے گناہ بچے۔اسی تناظر میں جو افسانے لکھے گئے ہیں ان میں منیر احمد فردوس کا مجموعہ سناٹوں کا شہر میں افسانہ " ادھورے پن کی دیمک" ہے جس میں اجو نام کا رکشہ ریڑھی کھینچنے والے ایک ادھیڑ عمر انسان کو موضوع بنایا گیا ہے جو اکیلا رہتا ہے اور دن بھر محنت مزدوری کرنے کے بعد شام کو ہوٹل میں لوگوں کو خوش کرنے کے لئے لطیفے سناتا ہے اور اپنی مزاحیہ حرکات سے سب کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ کسی کو معلوم نہ تھا کہ اجو کون تھا کہاں سے آیا تھا، کہاں رہتا تھا۔شہر میں شادی کی ایک تقریب میں اجو بڑھ چڑھ کر کام کر رہا تھا کہ اچانک آگ لگ گئی اور اجو اس آگ کو دیکھ کر بہت پریشان ہو جاتا ہے۔شادی کی تقریب کے بعد شہر میں دہشت گردی کا راج شروع ہو جاتا ہے۔دیکھئے:

"شادی کے ہنگامے ختم ہوتے ہی شہر پر ایک قیامت ٹوٹ پڑی شہر کی ایک مشہور عبادت گاہ میں دھماکہ ہو گیا جس میں کئی قیمتی جانیں ضایع ہو گئی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہر طرف خوف کی زہریلی ہوائیں چل پڑیں اور دہشت گردی کی چنگاری سلگ کر شعلوں میں تبدیل ہو گئی دن دھاڑے شہر کے مختلف علاقوں میں چار پانچ قتل اور پھر دستی بموں کے حملوں نے پورے شہر کو اپنی لپیٹ لے لیا اور چاروں طرف نفرت کے الاؤ جل اٹھے، ہر چہرے پر سیاہ رات چھا گئی اور

دلوں میں خوف بھر گیا۔ جب یہ بے رحم آگ کئی گھروں کو جلا کر اپنا دائرہ وسیع کرنے لگی تو
شہر بھر میں کرفیو لگا دیا گیا۔'' (۳)

اجو جیسے معصوم اور بے گناہ انسان جو ہر کسی کی خوشی میں خوش ہونے والا ہے کی تششد دشدہ لاش شہر کے ایک سنسان علاقے سے ملتی ہے۔

خیبر پختونخواہ میں ۱۶ دسمبر ۲۰۱۵ کو آرمی پبلک سکول میں دہشت گردی کا دل خراش واقعہ پیش آیا جس میں سینکڑوں بے گناہ معصوم بچے شہید ہوئے۔ اس واقعے کو مصنف نے '' مکالمہ '' کے عنوان سے پیش کیا۔ جس میں جنت کے داروغہ اور سات دہشت گردوں میں جنت کے دروازے پر ان دہشت گردوں کو روکنے پر گفتگو ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ لوگ غلط راستے سے جنت میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر داروغہ ان لوگوں کو اُن بچوں سے ملاتا ہے جو صحیح راستے سے جنت میں داخل ہوئے ہوتے ہیں وہ بچے کرنوں کی ایک روشن رتھ میں سوار ہوتے ہیں جن کے سروں پر تاج جگمگا رہے تھے۔ بچے ان لوگوں کو پہچان کر داروغہ سے شکایت کرتے ہیں کہ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہمیں سکول میں گولیاں ماریں تھیں۔ ایک بچہ شکایت کرتے ہوئے داروغہ سے کہتا ہے کہ:

''انکل کیا آپ کو پتہ ہے کہ میرے یونیفارم پر جب کبھی سیاہی گرتی تو ماما مجھے بہت ڈانٹتی تھیں
مگر ان لوگوں نے میرا پورا یونیفارم سرخ کر دیا ہے انکل اب میں گھر نہیں جاوں گا میرا سرخ
یونیفارم دیکھ کر ماما مجھے ماریں گی''(۴)

مختلف بچوں کی مختلف معصوم شکایات سُن کر داروغہ کا چہرہ غصے سے لال ہو جاتا ہے اور وہ اُن لوگوں کو سزا دیتا ہے جس سے بچوں کے چہرے خوشی سے چمکتے ہیں اور وہ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہیں۔ خوابوں سے ڈرا ہوا آدمی، ٹی وی اشتہار ۲۰۱۵، جنت، دہماکا اور سرخ وائرس بھی اسی تناظر میں لکھے گئے افسانے ہیں۔ حمزہ حسن شیخ کے افسانوی مجموعے ''کاغذ'' میں ''لنگڑی زندگی'' بھی دہشت گردی کے موضوع پر لکھا جانے والا خوب صورت افسانہ ہے جس میں ایک سکول اُستانی جو اپنے غریب گھرانے کی واحد کفیل ہے اپنی تنخواہ سے اپنے ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائیوں کی ضروریات پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ اُستانی کے والد علاقے کی مسجد کے امام ہیں اور علاقے میں پولیو کے خلاف ہیں لوگوں کا اچھا خاصا گروہ بنایا ہے جو اس مہم کے خلاف کام کرتے ہیں جبکہ امام کی اُستانی بیٹی اپنی ساتھی ٹیچر کے کہنے پر پولیو مہم میں تین دن کی ڈیوٹی اس لئے کر لیتی ہے کہ ان پیسوں سے چھوٹے بہن بھائیوں کے لئے کپڑے، جوتے خریدے گی۔ سارا دن شہر میں بس سٹاپ پر چھوٹے چھوٹے بچوں کو قطرے پلاتے ہوئے اُسے تھکاوٹ کے بجائے یہ احساس ہوتا ہے کہ وہ ننھے پھولوں کو اپاہج ہونے سے بچانے کی کوشش کر رہی ہے۔

''وہ ویکسین بکس اُٹھائے بچوں کو قطرے پلا رہی تھی۔ یہ دو قطرے اُن بچوں کی زندگی کے
ضامن تھے اور ان کو کئی بیماریوں سے محفوظ رکھنے کا سبب بھی گاڑیاں سڑک پر دوڑ رہیں تھیں

اور وہ ننھے منے بچوں کا مستقبل بچانے کے لئے کوشاں تھی۔ وہ کسی مالی کی طرح ان پھولوں کی زندگی محفوظ بنانے پر بہت خوش تھی صبح سے اب تک کافی وقت گزرنے کے باوجود اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نہیں تھے۔ ننھے منے بچے پولیو سے بچاؤ کے قطرے پی کر اپنی چمکتی دمکتی گاڑیوں میں موجود کھلونوں کے ساتھ کھیلنے میں مگن ہو جاتے جبکہ ان کے والدین اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے اور آگے بڑھ جاتے۔ لوگوں کے چہروں پر سجی مسکراہٹ اس کو حوصلہ دیتی اور اس کی تھکاوٹ دور ہو جاتی۔"(۵)

اُستانی اپنے کام میں مگن تھی کہ اچانک ایک گاڑی رکتی ہے اس میں سے ایک ہاتھ باہر نکلتا ہے اور اُستانی پر دو تین فائر کر کے تیزی سے نکل جاتی ہے، اُستانی کو راہگیر ہسپتال لے جاتے ہیں لیکن وہ زندگی کی بازی ہار جاتی ہے۔

محمد جمیل کے افسانوی مجموعے "نوحہ بے نام" میں اٹھارہ افسانوں میں وادی سوات میں ہونے والی دہشت گردی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کی عکاسی بہترین انداز میں کی گئی ہے۔ مصنف کا تعلق چونکہ اسی علاقے سے ہے اس لئے تمام واقعات سے وہ خود باخبر ہے۔

افسانہ جب اکیسویں صدی میں داخل ہوا توفنی اور اسلوبیاتی ارتقاء کی نیرنگیوں کے ساتھ موضوعاتی تلخیوں نے بھی اس کے دامن کو بھر دیا جس کے باعث اردو افسانے کے لہجے میں ایک جارحانہ انداز انسان اور اس کے سماجی المیوں کا کرب لے کر سامنے آیا۔ اس دنیا میں قدرتی آفات کی تباہیوں کے ساتھ ساتھ جو تباہیاں اور بربادیاں انسان نے خود پیدا کی ہیں ان سے صرفِ نظر کرنا آسان نہیں۔ انسان کو بدامنی، انتشار، عدم تحفظ، قتل و غارت اور تشدد پسند جنونیت جس طرف لے گیا ہے اس سے انسان کی جان، مذہب، عقیدہ کچھ بھی محفوظ نہیں رہا۔ بقول ضمیر نیازی:

"ستم ظریفی تو یہ ہے کہ انسان بے پناہ ترقی کے ساتھ ہی لامتناہی تباہی کے سامان بھی فراہم کر چکا ہے۔ آج وہ اس مقام تک پہنچ چکا ہے کہ صرف مٹھی بھر افراد یا فردِ واحد اپنی دیوانگی کی انتہا کو پہنچ کر کرہ ارض کو جہنم کا نمونہ بنا سکتا ہے۔" (۶)

زاہدہ حنا کا افسانہ "نیند کا زرد لباس" پروین نامی بچی کی کہانی ہے۔ یہ صرف پروین کی کہانی نہیں ہے بلکہ معاشرے کی ان تمام لڑکیوں کی داستانِ غم ہے جن کی ذہانتوں اور صلاحیتوں کو منفی طاقتوں نے وقت اور حالات کے دھاروں میں بہا دیا۔ دہشتگردی اور بدامنی کے ناگفتہ بہ حالات نے پروین سے اس کا بچپنا چھین لیا اور وہ چھوٹی عمر میں بڑی بڑی باتیں کرتی تھی۔ اس کا خاندان کابل سے ہجرت کر کے امن و سکون کی تلاش میں باجوڑ پہنچا لیکن دربدری کے عذاب نے یہاں بھی چین نہیں لینے دیا اور حکومتِ وقت نے کچھ ہی عرصے میں نیا حکم جاری کیا کہ باجوڑ کو خالی کر دیا جائے۔ لہذا یہ مجبور و بے بس لوگ وہاں سے جانے لگے اس ہجرت در ہجرت کے درران امریکی بمباری سے کئی بے گناہ لوگوں کے ساتھ پروین بھی زندگی کی بازی ہار جاتی ہے۔ مرنے کے بعد اس کے ہاتھ میں ایک خط ہوتا ہے جو امریکی صدر کے نام لکھا ہوتا ہے۔ اس خط میں زاہدہ حنا

نے کمال مہارت کا مظاہرہ کیا۔ خط میں کی جانے والی فریاد دراصل ان بے شمار بچوں کی فریاد کی نمائندہ ہے جن سے ان کے بچپن کی معصومیت اور ماں باپ کے سائے چھینے گئے اور جو ان مظالم کے ردِ عمل کے طور پر بلا آخر خود بھی خود کش بمبار بن کے اپنے ساتھ بہت سے لوگوں کی زندگیوں کے چراغ بھی انتقاماً گل کرنے پر تیار ہو گئے۔

افسانہ نگار کے خیال میں موجودہ دور میں انسانیت کے اس قتل عام کے پیچھے امریکی پالیسیوں کا ہاتھ ہے جو تیسری دنیا کے ممالک کی مجبور اور بے بس عوام کو زبردستی معاشرے کے لئے ناسور بنانے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ مغربی ممالک بالخصوص امریکہ کا اپنی طاقت کا بے دریغ استعمال اور تیسری دنیا کی بے عمل اور بے بسی بھی خاص طور پر اُردو افسانوں کا موضوع بنی رہی ہے۔ بقول علی حیدر ملک:

> ''کشمیر، عراق، افغانستان، فلسطین کے مسائل واحد سپر پاور کی چیرہ دستیاں مہلک ہتھیاروں کی ہولناکیاں، انسانی اقدار کی پامالیاں، تیسری دنیا کی مجبوریاں عصر حاضر کے سلگتے ہوئے موضوعات ہیں لیکن ان موضوعات پر مغربی ادیب نہیں لکھ سکتے کیونکہ وہ استعماری طاقتوں کے زیر اثر اور اپنے مفادات کے تابع ہیں یہ کام وسیع تر بنیادوں پر زیادہ بہتر اور موثر انداز میں ضرف اور صرف اُردو افسانہ نگار انجام دے سکتے ہیں۔''(۷)

محمد حمید شاہد کا افسانہ '' مرگ زار ''میں شادت جیسی عظیم قربانی کو سیاسی چالوں کی نذر کر دیتے ہوئے دکھایا گیا ہے اور اس احساس پشیمانی و ندامت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی کہ معصوم عقیدتیں اور جذبہ ایمانی جب ذاتی مفادات اور مکر و فریب کے دام میں گرفتار ہوتا ہے تو شہادت مرگِ رائیگاں بن جاتی ہے۔ معصب کی شہادت پر اس کے بھائی کو فون پر اطلاع دی جاتی ہے اور اسے پشاور بلایا جاتا ہے تاکہ بھائی کی لاش دیکھنے کے بعد اسے جلال آباد واپس لے جا کر شہیدوں کے قبرستان میں دفنا دیا جائے۔ ان کی جلدی کے باعث ماں کو بیٹے کا آخری دیدار نصیب نہ ہو سکا۔ جب راوی بھائی کی لاش سے کفن اُٹھاتا ہے تو کفن میں لاش کی بجائے گوشت کے ٹکڑے پڑے ہوتے ہیں بقول راوی:

> ''میں نے کفن کی اس جانب کو ٹٹولا جہاں سر ہونا چاہیے تھا وہاں سر نہیں تھا۔ میں نے کفن الٹ دیا وہاں سرخ سرخ بوٹیوں کا ڈھیر پڑا تھا میں نے وہاں ہاتھ سر کا یا جہاں کندھے ہوتے ہیں وہاں کندھے بھی نہ تھے چھاتی بھی گوشت کا ڈھیر تھی خون کی پھٹیکوں اور مہک میں بسا ہو گوشت کا ڈھیر۔)''(۸)

پھر وہ اس کا ہاتھ پہچان کر یقین کر لیتا کہ لاش معصب ہی کی ہے۔ بدنصیب ماں بیٹے کی شہادت پر صبر کر لیتی ہے لیکن محرم میں کربلا کے شہیدوں کو یاد کر کے خوب روتی ہے یعنی بیٹے کی شہادت پر صبر کر کے جتنے آنسو روکے تھے وہ اب بہا دیے بقول راوی:

''اب تو ماں روتی ہے اور رلاتی بھی ہے۔ اتنا زیادہ اور اتنے تسلسل سے کہ میں بھی اب رونے لگتا ہوں۔ ''(۹)

محمد امین کے افسانے '' چیونٹیوں کی طرح مت چیخو'' میں ایسے ایک خود کش نوجوان کو موضوع بنایا گیا ہے جو اپنی نا سمجھی میں اپنے ساتھ نا صرف اپنے چھوٹے بھائی اور اپنی منگیتر کی زندگی کا چراغ گل کرتا بلکہ کئی معصوم لوگوں کے قتل کا مرتکب بھی ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کو نوکری کی خاطر انٹرویو کے لئے شہر روانہ کر کے خود ایک ایسے مشن پر روانہ ہو جاتا ہے جس سے واپسی ممکن نہیں۔ اس کا خیال تھا کہ چھوٹا بھائی انٹرویو کے بعد گھر لوٹ چکا ہو گا مگر وہ دیر ہونے کی وجہ سے اس کی منگیتر کے گھر جاتا ہے اور اسے فروٹ چاٹ کھلانے باہر لاتا ہے جہاں اسے اپنے بڑے بھائی کے لڑنے کی آواز سنائی دیتی ہے لیکن جوں ہی وہ آواز کے پیچھے بھائی کے قریب پہنچا اس نے تمام لوگوں کو خود کش دھماکے سے اڑا دیا جنہیں وہ اپنی مصنوعی لڑائی سے جمع کرنے میں کامیاب ہوا تھا۔

منشایاد کے افسانے ایک سائیکلو سٹائل وصیت، پرویز انجم (مہاجر پرندے) ڈاکٹر انوار احمد (شہید کا خواب) مبین مرزا (ریت کی دیوار) نیر اقبال علوی (طالبانِ خلد) مسعود اشعر (چھتری) محمد مظہر الزمان (خوف کے حصار میں) جیسے افسانوں میں انہیں پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اردو افسانے میں عصرِ حاضر کی بھرپور عکاسی موجود ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر حنیف فوق۔ متوازی نقوش۔ نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۹۔ ص ۲۸۶

۲۔ جیلانی بانو۔ آج کے مسائل اور افسانہ مشمولہ ''مکالمہ ۲'' اکادمی بازیافت کراچی ۹۔۲۰۰۸۔ ص ۲۱۷

۳۔ منیر احمد فردوس ''سناٹوں کا شہر'' ق پبلی کیشنز ڈیرہ اسماعیل خان۔ ۲۰۱۵۔ ص ۱۷

۴۔ ایضاً ص ۳۴

۵۔ حمزہ حسن شیخ ''کاغذ'' الفتح پبلی کیشنز راولپنڈی ۲۰۱۴۔ ص ۵۱

۶۔ ضمیر نیازی، مرتب، اگر ذرے کا دل چیریں مشمولہ ''زمین کا نوحہ'' شہر زاد کراچی ۲۰۰۰۔ ص ۲۰

۷۔ علی حیدر ملک۔ مکالمہ ۲۔ ص ۲۲۶

۸۔ ڈاکٹر توصیف تبسم مرتب۔ محمد حمید شاہد کے پچاس افسانے۔ پورب اکادمی اسلام آباد ۲۰۰۹۔ ص ۵۳۹

۹۔ ایضاً۔ ص ۵۳۹